سید احمد خاں غفرلہ

علی گڑھ

(سنہ ۱۸۷۵ء تا اگست سنہ ۱۹۴۷ء)

یعنی

مسلم یونیورسٹی کی تاسیس اور اُس کے
تدریجی ارتقا کا ایک بہت ہی مختصر تذکرہ

(مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس میکلوڈ روڈ کراچی)

"Aligarh was then, as it is now, as it will be in the years to come, a symbol of Muslim strength, and emblem of pride in our past and of faith in the greatness of our future. The Muslim Nation cannot be sufficiently grateful to Aligarh and to its great founder for the part that this great institution has played in the educational and cultural renaissance for our people. In fact the history of the revival of the Muslim Nation after its downfall in the 19th century begins with the Aligarh Movement, and it is to that movement and to Syed Ahmed Khan, its great leader that we owe in a large measure the strength that we possess today."

Extract from the Convocation Address delivered by the Hon'ble Mr. Liaquat Ali Khan at the Muslim University, Aligarh, on February 16, 1947.

علی گڑھ

۱۸۷۵ء تا اگست ۱۹۴۷ء

یعنی

مسلم یونیورسٹی کی تاسیس اور اس کے تدریجی ارتقا کا ایک بہت ہی مختصر تذکرہ

(مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس میکلوڈ روڈ کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

انیسویں صدی کے چھٹے عشرہ میں جب مسلمانوں کی تباہی انتہائی درجے پر پہونچی ہوئی تھی اور کسی کو یہ امید نہ تھی کہ یہ بڑی قوم جس نے صدیوں تک اس ملک پر حکومت کی تھی اب اپنی قومی ہستی بھی قائم رکھ سکے گی۔ لیکن صرف ایک شخص یعنی (سر) سیّد احمد خاں کے دل میں اُمید کی روشنی نمودار ہوئی اور اُن کے ذہن و دماغ میں چند تصوّرات اور تخیّلات پیدا ہوئے اور وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ ساری تباہی تعلیم کی عام کمی اور جدید علوم و فنون کی طرف عدم میلان کے باعث ہے۔

۱۸۶۹ء میں انھوں نے انگلستان کا سفر کیا۔ وہاں کے تعلیمی اداروں اور تربیت و شائستگی کو دیکھا اور قومی تعلیم کی ایک اسکیم مرتب کی پھر واپس آکر اس کو عملی قالب میں ڈھالنے پر توجہ کی۔

اوّلین مرحلہ پر ہی چند مخلص رفقاء اور احباب کی اعانت حاصل ہو گئی

جن کی امداد سے ایک مجلس بنام کمیٹی خواستگار تعلیم مسلمانان کی تشکیل ہوئی۔ جس کا مقصد ان موانع کو دُور کرنے کے طریقوں کی تحقیق کرنا تھا جن کے باعث عامتہ مسلمان جدید تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتے اور سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں بہت ہی کم پڑھتے ہیں۔

اس کمیٹی کے غور و بحث کے نتائج میں ایک دارالعلوم کی تجویز پر اتفاق کیا گیا جو صرف سرکاری ملازمت کے لئے بطور ایک اصطلاحی تعلیم و تربیت کے لئے نہ ہو بلکہ اس میں اخلاق و عادات کی درستی اور مذہب کی ضروری تعلیم و تربیت بھی شامل ہو۔ اس کے ساتھ اس کے اجرا کی تجاویز پیش کی گئیں اور چند مراحل کے بعد طے شدہ امور پر اقدامات کئے گئے۔ ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو بمقام علی گڑھ بطور نمونہ ایک مدرسہ جاری کیا گیا جس میں مذہبی تعلیم و تربیت کا ایک خاص نصاب تجویز ہوا اور اقامتی نظام میں انگلستان کی مشہور یونیورسٹیوں کیمبرج اور آکسفورڈ کے طریقوں کو پیش نظر رکھا گیا۔

جو اسکیم بنائی گئی تھی اس کی بنیادی تجاویز میں ایک دارالعلوم (یونیورسٹی) کی تجویز تھی مگر چند در چند مشکلات کے باعث سر دست اس مدرسہ پر قناعت کی گئی۔

یہ مدرسہ ایک نیم پختہ گھانس پھونس کے بنگلے میں شہر سے کچھ فاصلے پر قائم ہوا اور ایسے ہی دوسرے بنگلے میں اس کے بورڈروں کے لئے کیمبرج کے نمونے پر اقامتی نظام جاری کیا گیا۔ حکومت نے بھی (۷۴) ایکڑ اراضی عنایت کی۔ پہلے سال (۲۶) طلبا داخل ہوئے ان میں جہاں نواب،

والئی ٹونک کے اعزا تھے وہاں ایسے غریب و نادار طلباء بھی تھے جن کو
امدادی وظائف کی ضرورت تھی، چنانچہ ان وظیفوں کو چندہ رفقاء نے مقرر
کر دیا۔ تعلیم و تربیت میں مذہبی تعلیم اور اعمال مذہب کی پابندی کو مقدم
رکھا گیا۔ اس وقت (۵) ہزار سالانہ بجٹ تھا۔ مگر ایک سال کے اندر جس قدر
کامیابی ہوئی اس سے حوصلے بلند ہوگئے اور ۱۸ ماہ بعد ہی اسکیم کے دوسرے
جزو کے تحت ۸۔ جنوری ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن وائسرائے ہند سے کالج کا سنگِ
بنیاد نصب کرایا گیا اس موقع پر جو ایڈریس پیش ہوا اس میں مقاصد و مشکلات
اور کامیابیوں کو بیان کرنے کے بعد آخر میں اس امید کا اظہار تھا کہ

"جو بیج آج ہم بوتے ہیں اس سے ایک ایسا درخت پیدا ہو جس کی شاخیں
اس ملک کے بڑ کے درخت کی مانند پھر زمین میں مضبوط جڑ پکڑ لیں اور ان سے
نئے نئے قوت دار پودے پیدا ہوں گے اور یہ کالج پھیل کر یونیورسٹی ہو جائیگا۔
جس کے طالب علم اس ملک کے ہر چہار طرف آزادانہ تحقیقات اور فراخ حوصلہ
بے تعصبی اور عمدہ اخلاق کی بشارت دیتے پھریں گے"

۱۸۷۵ء میں کالج کا کلکتہ یونیورسٹی سے اور پھر الہ آباد یونیورسٹی قائم
ہونے کے بعد اس سے الحاق ہوا۔ ۱۸۸۱ء میں پہلی بار طلبا بی۔ اے کے
امتحان میں شریک ہوئے۔

۱۸۸۷ء میں ایم۔ اے اور ۱۸۸۹ء میں قانون کے کلاس جاری ہوئے
مذہبی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ناظم دینیات کا تقرر کیا گیا اور اقامتی نظام کو
اور وسعت دی گئی۔ ۱۸۹۷ء میں کالج کا بجٹ ۵، ہزار سالانہ کا تھا۔ پانچ

میں سر سید کا انتقال ہوا چند مشکلات دُور ہو جانے کے بعد موجودہ صدی
کے شروع ہوتے ہی ترقی کا بھی ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ تعلیم میں سائنس
کے شعبوں کا اضافہ ہوا۔ فزکس کیمسٹری اور بیالوجی کی لیبارٹریز بنائی گئیں تعلیم
لسانیات کے جدید اصول پر عربی کی اعلیٰ تعلیم کا ایک مستقل شعبہ قائم ہوا اور ایک
جرمن مستشرق کا تقرر کیا گیا۔ دینیات کی تعلیم میں بھی وسعت دی گئی۔ مقررہ
نصاب کے علاوہ قرأت و تجوید اور تفسیر کی تدریس کا اضافہ ہوا۔ کالج لائبریری
میں جو بنیاد کالج کے وقت ہی قائم ہوئی تھی، توسیع ہوتی رہی۔ ۱۹۱۹ء میں
انگریزی اور علوم مشرقی کی ۱۰۱۴۸ کتابیں تھیں اور ۳۱ ، اردو فارسی کے
مخطوطات تھے۔ علمی سوسائٹیاں گیمس کلب اور مختلف قسم کے ورزشی ادارے
وقتاً فوقتاً قائم ہوتے رہے جیسے سٹوڈنٹس یونین کلب اور کرکٹ کلب نے
زبردست شہرت حاصل کی۔ ایک رائڈنگ اسکول بھی قائم ہوا جس کے
ممبروں کی نہایت خوشنما وردی بنائی گئی۔

۱۸۹۰ء میں طلبا کی ایک خاص سوسائٹی انجمن الفرض
قائم ہوئی تھی جس کا کام قابل امداد طلبا کی تعلیم کے لئے حصول عطیات تھا۔ دوسرے
دور میں اس نے زبردست ترقی کی۔ کئی لاکھ روپیہ وصول کیا اور صدہا طلبا کی
کفیل بن گئی اس کی امداد کو قرض حسنہ میں تبدیل کیا گیا چند فیلوشپ بھی
قائم ہوئیں اور مغربی یونیورسٹیوں میں امداد تعلیم کی غرض سے آغا خاں فارن
اسکالرشپ فنڈ جاری ہوا۔

امدادی وظائف کے علاوہ مزید ۱۰۵ اسکالرشپ (۳۱ عربی کے۔

۱۰ دینیات کے اور ۱۲ سائنس کے لئے) مخصوص تھے۔ متعدد پرائز اور میڈل تھے اور ان سب کا سرمایہ دستاویزات سرکاری اور ایسی عمارات کالج میں محفوظ تھا جن کا کرایہ ملتا تھا۔

اسٹاف میں ۱۴ ممبر تھے جن میں گیارہ یوروپین یونیورسٹیوں کے سند یافتہ تھے۔ طلبا کی تعداد ہزار کے قریب تھی۔ جس میں ایران عمان اور بحرین کے طالب علم بھی تھے۔ ان طلبا کی اخوت و مساوات کی روایات میں اضافہ ہوتا رہا۔ بھوپال پرنس (ہز ہائنس نواب محمد حمید اللہ خاں) کے شانہ بشانہ غریب طلبا کلاس میں ایک ہی بینچ پر اور کلب اور کرکٹ فیلڈ میں ایک ہی جگہ نظر آئے۔ ہندو طلبا کی بھی معقول تعداد رہی، پارسی اور سکھ بھی داخل ہوئے اور ان سب کے ساتھ رواداری و بے تعصبی کا بے نظیر برتاؤ رہا۔

کالج کے ساتھ اسکول بھی تھا جس میں انٹرنس تک تعلیم تھی اور اقامتی نظام بھی تھا کم عمر بچوں کے لئے ایک علیحدہ ہاسٹل ظہور وارڈ تھا۔ ۱۹۰۳ء میں ایک انگلش ہاؤس بھی جاری کیا گیا جس میں اسکول کے وہ طلبا جو امیر خاندان کے تھے، انگریزی طریقِ معاشرت پر رہتے تھے۔ ایک انگلش لیڈی سپرنٹنڈنٹ تھی مگر مذہبی تعلیم کا نظام دوسرے ہاسٹلوں کی طرح تھا۔

طلبا کی تعداد تین سو کے قریب تھی اور اُن کی سوسائٹیاں اور کلب وغیرہ جدا تھے۔

عمارتوں کے زیادہ تر نقشے خود سر سیّد نے ہی بنائے تھے اور انہی کی نگرانی میں تعمیر کا سلسلہ بھی جاری تھا مسجد جامع مسجد شاہجہانی دہلی کے نمونہ پر

بنائی گئی۔ سر سیّد نے بڑی تلاش و کوشش سے عہد شاہجہانی کے مشہور خطاط یاقوت رقم کے ہاتھ کا ایک کتبہ سورۂ والفجر کا سنگ مرمر پر اور دوسرا کتبہ سورۂ جمعہ کا جو اسی زمانہ کے کسی زبردست خطاط کا ہے حاصل کیا پہلا باہر کی وسطی محراب پر اور دوسرا اندر کی محراب پر ہے پھر دوسرے دور میں مسجد کی تکمیل و زینت کی گئی۔ محرابوں اور چھت پر سنہرے نقش و نگار ہیں۔ وسیع صحن اور بلند و شاندار گنبد اور منارے ہیں۔

دورِ اوّل میں ہاسٹلوں اور لکچروں کے کمرے یا تو انفرادی عطیات سے تعمیر ہوئے یا چند احباب کے چندوں یا کالج کے تعمیر فنڈ سے۔ یہ سب کمرے محسنین کالج یا اُن کے بانیوں کے نام سے موسوم ہیں۔

دورِ ثانی میں رقبہ کا بھی کافی اضافہ ہوا اور بعض فیّاض اصحاب نے پورے پورے ہاسٹلوں کا زرِ تعمیر عطا کیا جو انھیں کے نام سے موسوم ہوئے ۱۹۱۶ء میں ایک وسیع خوبصورت سوئمنگ باتھ تعمیر ہوا اور تیراکی سکھانے کے لئے اسی زمانہ میں ایک عمدہ تیراک میر ہادی کے نام سے مقرر ہوا۔

کالج کے شفاخانہ کی بھی تعمیر ہوئی جس میں مریضوں کے رہنے کے لئے کمرے بھی بنائے گئے اور ایک اسسٹنٹ سرجن کا تقرر ہوا۔ یونانی مطب اور طبیب کا بھی انتظام کیا گیا۔ آخر زمانہ سنہ ۱۹۲۰ء میں کالج اور اسکول کے ۱۲ ہاسٹل تھے۔ لکچر روم لٹن لائبریری۔ اسٹریچی ہال۔ کرزن ہاسپٹل۔ یونین ہال۔ سالار منزل۔ کرکٹ پویلین۔ سوئمنگ باتھ غرض بڑی چھوٹی ۷۰ عمارتیں تھیں آب نوشی اور آب پاشی کے لئے ۱۳ کنویں تھے۔

صدر دروازہ نہایت شاندار بنایا گیا۔ سنگ مرمر پر کالج کا مونوگرام اور عربی نظم اور عبارت منقش ہے۔ ان عمارتوں کے علاوہ احاطہ کالج میں اولڈ بوائز لاج اور سلطان جہاں منزل صدر دفتر کانفرنس کی عمارتیں بھی بہت خوشنما ہیں۔

سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے بجٹ کے مطابق ۳,۱۵۹۶۲ آمدنی تھی اور ۲۶۳۰۲۶ کا خرچ تھا۔ نقد سرمایہ محفوظ ۹۵۳۳۲۵ روپیہ تھا۔ سرمایہ اور جائداد میں ایک پریس۔ ایک بک ڈپو ایک اخبار انسٹیٹیوٹ گزٹ بھی تھا۔ بک ڈپو میں اردو کا بہترین لٹریچر خصوصیت سے مہیا رہتا تھا اور منافع غریب طلبا کی امداد میں صرف ہوتا۔ پریس میں لیتھو اور ٹائپ کی طباعت تھی اور حسن طباعت کے لحاظ سے مشہور تھا۔

صوبہ گورنمنٹ ریاست ہائے حیدر آباد۔ رام پور۔ بھوپال۔ بہاول پور۔ جاورہ۔ خیر پور۔ مالیر کوٹلہ پٹیالہ سالار جنگ اسٹیٹ، تعلقہ محمود آباد اور ہز ہائنس آغا خاں اسٹیٹ سے سالانہ امدادیں مقرر تھیں۔ وقتاً فوقتاً عطیات بھی حاصل ہوتے رہتے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں امیر افغانستان نے بھی گرانٹ مقرر کی سنہ ۱۹۱۲ء میں کالج کی مرکزی حیثیت تسلیم کی گئی اور امپیریل گورنمنٹ کے بجٹ سے دو لاکھ روپیہ دیا گیا۔

کالج کا نظم و نسق سنہ ۱۸۸۹ء تک ایک منیجنگ کمیٹی کے ذمہ تھا پھر ٹرسٹیوں کا قانون وضع ہوا اور آخر تک ٹرسٹیز اور ان کی مجلس عاملہ (سنڈیکیٹ) ذمہ دار رہی۔ منیجنگ کمیٹی کے اور بعدہٗ ٹرسٹیز کمیٹی کے صدر نواب لطف علی خاں

(چھتاری) تھے۔ پھر کچھ مدت تک سید محمود اور عماد الملک رہے اور ان کے بعد نواب فیاض علی خاں ممتاز الدولہ رئیس پہاسو ضلع بلند شہر کا آخر تک انتخاب ہوتا رہا۔

اولین سکریٹری سر سید سنہ ۱۸۷۵ء تا مارچ سنہ ۱۸۹۸ء کے بعد سید محمود تقریباً ایک سال پھر محسن الملک سنہ ۱۸۹۹ء سے سنہ ۱۹۰۷ء تک نواب وقار الملک سنہ ۱۹۱۳ء تک نواب محمد اسحاق خاں سنہ ۱۹۱۸ء تک اور نواب سید محمد علی نومبر سنہ ۱۹۲۰ء تک آنریری سکریٹری رہے۔ ٹرسٹیز کمیٹی میں ہر صوبے ایک متناسب و معین تعداد تھی۔ ابتداً ۷۲ بعدہٗ یہ تعداد ۱۳۴ ہوگئی۔

ایک اعزازی عہدہ وزیٹر کا بھی تھا۔ صوبہ کا حکمراں اور ڈائرکٹر باعتبار عہدہ اور دیگر اصحاب ٹرسٹیز کے انتخاب سے وزیٹر ہوتے تھے۔

مسٹر سڈنس مسٹر تھیوڈر بیک (سر) تھیوڈر مارسین مسٹر آرچبولڈ مسٹر ٹول ڈاکٹر ضیاء الدین سنہ ۱۸۷۷ء تا سنہ ۱۹۲۰ء پرنسپل تھے،

جب سے کالج قائم ہوا اس کو کئی طوفانوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ آخری طوفان سنہ ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا بڑا مہیب اور سخت تھا۔ مگر نہایت دلیری اور ہمت سے اس کا مقابلہ کیا گیا۔ اور اس کے فرو ہوتے ہی کالج یونیورسٹی کی شکل میں نمودار ہوگیا۔

سرسید نے یونیورسٹی کا خیال کبھی نہیں چھوڑا تھا اور وہ متعدد
ایڈریسوں میں جو وائسرائے اور گورنروں کو دئے گئے اس خیال کو تازہ کرتے
رہے۔ ان کی رحلت کے بعد اجلاس کانفرنس منعقدہ لاہور ۱۸۹۸ء میں
باقاعدہ تحریک ہوئی اور نہایت عزم و جوش کے ساتھ منظور کی گئی۔ فنڈ بھی
فراہم ہونا شروع ہوا پھر دسمبر ۱۹۰۲ء کے اجلاس منعقدہ دہلی میں ہز رائل
ہائنس آغا خاں نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس تجویز کو کامیاب بنانے پر
نہایت زور دیا اور آئندہ کالج کی ترقی میں جو قدم اٹھا وہ اسی منزل کی جانب
تھا۔ ۱۹۱۱ء میں عملی اقدامات کئے گئے۔ حصول سرمایہ اور دستور اساسی
کی ترتیب کے لئے کمیٹیاں قائم ہوئیں۔ ہز رائل ہائنس کی قیادت میں خاص
خاص مقامات کے دورے کئے گئے اور ایک سال کے اندر ۲۰ لاکھ روپیہ فراہم
ہوگیا جس میں آنوں سے لاکھوں تک کا عطیہ تھا۔ مگر ایک طرف حکومت کے غیر
ہمدردانہ رویّہ اور دستور اساسی میں اختلاف اور دوسری طرف طرابلس اور بلقان
کے واقعات جنگ عظیم اور خلافت و ترکی مسائل کے سبب سے التواء ہوتا
رہا تا آنکہ نومبر ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی بل امپیریل کونسل میں پیش ہو کر یکم دسمبر
کو قانون کی صورت میں نفاذ پذیر ہوا۔

اب مسلم یونیورسٹی کا (۱۱) شعبوں سے افتتاح کیا گیا۔ کالج کی تعلیم و
تربیت کی تمام خصوصیات قائم ہی نہیں بلکہ ترقی پذیر رہیں۔ مذہبی تعلیم کا
معیار زیادہ بلند کیا گیا۔ بی۔ ٹی۔ ایچ اور ایم۔ ٹی۔ ایچ کے درجات قائم ہوئے

بہ اوقات مختلف مزید شعبوں کا بھی اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۲۵ء میں اس ادارہ
کی تقریب جوبلی منائی گئی جس میں ہر حصۂ ملک سے تقریباً سات ہزار مہمانوں
نے شرکت کی۔

یونیورسٹی کو بھی چند خطرات کا مقابلہ پیش آیا جن سے ترقی کی رفتار
کچھ سست ہوگئی مگر وہ جلد رفع ہوگئے اور بالآخر رفتار ترقی اتنی تیز
ہوئی کہ ۱۹۴۷ء تک یونیورسٹی میں نو کالج ہوگئے۔ ان کالجوں میں
ایک ملیٹری کالج بھی تھا جس میں عسکری تربیت و تعلیم کے مختلف شعبے تھے
دیگر آرٹ سائنس۔ لا۔ ایجوکیشن۔ طبیہ۔ مکنیکل انجینرنگ۔ زنانہ۔ زرعی تھے فوجی
ہوائی تربیتی دستوں کی اسکیم بھی جاری ہوئی اور (۱۰۵) ایکڑ کے رقبہ
کو طیران گاہ بنایا گیا۔ زمانہ جنگ میں ایک ہزار ایک سو طلبا نے بری بحری
اور فضائی افواج میں ایمرجنسی کمیشن حاصل کیا دو سو کامیاب انجینروں نے فوجی
انجینرنگ سروس میں شرکت کی اسی سلسلہ میں وار ٹیکنیشن کی تربیت کا بھی
ایک ادارہ تھا جس کے پندرہ سو کاریگر فوج کے صنعتی اداروں میں بھرتی ہوئے
تمام واحد کالج والی یونیورسٹیوں میں علی گڑھ کے طلبا نے کھلے مقابلوں
میں بھی فنی تعلیم کے لئے سب سے زیادہ وظائف حاصل کئے اور برقی
انجینرنگ میں تو تمام یونیورسٹیوں سے زیادہ ملے علاوہ بریں مرکزی اور صوبائی سول
سروسوں کے مقابلوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ مزید ترقی کی اسکیموں
میں کامرس کالج کی اسکیم بنی اور مختلف عطیات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک پالیٹکنک
اسکول کے لئے سرمایہ فراہم ہوا۔ اور اس کے لئے ایک موزوں عمارت اور وسیع

رقبہ خریدلیا گیا۔ ایک مکمل میڈیکل کالج کی اسکیم ماہرینِ فن نے تیار کی اور دو تین سال میں پچاس لاکھ روپیہ نقد خزانۂ یونیورسٹی میں جمع ہوگیا۔

ترقی کی جو اسکیمیں مرتب ہوئیں اور جو پروگرام بنایا گیا اسمیں جامعہ ازہر کے نمونہ کی ایک ایسی درس گاہ بھی شامل تھی جس میں مختلف فرقوں کے مسلمانوں کی ساتھ ساتھ وہ تعلیم و تربیت ہو جو اسلامی علوم اور تہذیب و تمدن سے متعلق ہے۔

یونیورسٹی کے تمام اداروں میں تعداد طلبا برابر ترقی کرتی رہی چنانچہ ۱۹۴۶ء میں یہ تعداد چھ ہزار تک پہونچی جس میں غیر منقسم ہندوستان کے ہر حصے کے علاوہ جنوبی و مشرقی افریقہ ایران، ملایا، چین اور برما کے طالب علم بھی تھے۔ ان میں غیر مسلم طلبا کی بھی معقول تعداد تھی۔

سائنس اور آرٹ میں ریسرچ کا سلسلہ جاری ہوا سائنٹیفک اور انڈسٹریل ریسرچ کے لئے حکومت نے مالی امدادیں دیں۔ شعبہ حیوانیات کے ریسرچ کے لئے حکومتِ ہند نے اپنے ہندوستانی اور انگریز افسروں کو بھیجا حتیٰ بیک وقت ایسے ساٹھ آدمیوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔

دینیات اور السنہ مشرقی کا ایک مخصوص نصاب جاری کیا گیا علم النفس کے مطالعہ و تحقیقات کے لئے ایک لیبارٹری قائم کی گئی اور اسلامی فلسفہ ایک خاص مضمون قرار دیا گیا۔ جداگانہ کالج قائم کرنے کے خیال سے شعبہ جغرافیہ کا جداگانہ کتب خانہ لیبارٹری اور میوزیم وغیرہ مکمل کیا گیا۔ اس کے متعدد طلبا کی خدمات جیالوجیکل سروے آف انڈیا نے حاصل کیں۔

حکومت ہند نے متعدد طلبا، اور اسٹاف کے ممبروں کو مختلف شعبہ ہائے علوم میں تحقیقات کے لئے وظائف دئے۔ علمی کانفرنسوں کے انعقاد پر بھی توجہ کی گئی اور کئی یادگار اجلاس منعقد ہوئے۔ متعدد سوسائٹیاں قائم ہوگئیں ان میں سنسکرت سوسائٹی بھی ہے جس کے ایک مسلمان طالب علم نے مقابلہ میں انعام حاصل کیا اور اسی شعبہ کے ایک طالب علم نے فرانس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔

ہر شعبہ کے متعلق ایک سمنار لائبریری بھی قائم ہوئی جس میں متعلقہ کتابوں کی معقول تعداد ہے۔ اسپورٹس میں بھی ترقی کا سلسلہ جاری رہا۔ یو۔ ٹی۔ سی نے سالانہ کیمپوں میں بڑی شہرت حاصل کی اور حکومت نے او۔ ٹی۔ سی کے درجہ پر ترقی منظور کی۔

انجمن الفرض کے علاوہ طلبا کی امداد کے جدید وسائل مہیا کئے گئے۔ ایک وائس چانسلر فنڈ، گشتی کتب خانہ اور ایک ارزاں ہاسٹل جاری کیا گیا۔ اس امداد کا اوسط ستر اسی ہزار روپیہ سالانہ کے مابین ہوگیا۔

حسب ضرورت متعدد جدید عمارتیں تعمیر ہوئیں اور پھر گذشتہ دس سال میں سامان تعمیر کی مشکلوں کے باوجود یہ سلسلہ تیزی سے جاری رہا۔ غرض سائنس کالج اور متعدد ہاسٹلوں اور کلاس روموں، ورک شاپوں، جمنیزیم طبیہ کالج اور کرکٹ پویلین کی تعمیر ہوئی۔ مسجد کا تملم اندرونی فرش سنگ مرمر کا کیا گیا۔ ڈرینج اور الکٹریکل سسٹم کی تکمیل ہوئی۔ رقبہ میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ کچھ قیمتاً خریدا گیا اور کچھ حکومت سے حاصل ہوا حکومت کے عطیہ میں زراعتی فارم اور علی گڑھ کا تاریخی قلعہ مع آراضی ملحقہ بھی شامل تھے۔ اساتذہ کی مغربی تعلیم کا سلسلہ

جاری رہا اور انھوں نے نہایت اعلیٰ کامیابیاں حاصل کیں۔ بعض کی مرکزی حکومت نے بھی خدمات مستعار لیں۔ بعض کو اہم کمیٹیوں کی رکنیت پر منتخب کیا۔

۱۹۴۱ء سے قانونی ترمیم کے بعد یونیورسٹی کو علیحدہ علیحدہ کالجوں کے قیام اور اُن کے الحاق کا اختیار و حق حاصل ہو گیا اور پھر فیکلٹیز سسٹم کو رائج کیا گیا

عورتوں کی تعلیم کے لئے ہر قسم کی اور ہر شعبہ میں تعلیم کی آسانیاں پیدا کی گئیں اور زنانہ کالج کے الحاق نے ایک خاص سہولت پیدا کر دی۔ ۱۹۴۶ء کے اعداد کی رُو سے انٹرمیڈیٹ بی۔ اے۔ ایم۔ اے (آرٹ و سائنس) میں طالبات شریکِ امتحان کی تعداد ۱۹۰ اور کامیاب شدگان کی ۱۵۱ تھی۔ ۴۵ء میں پانچ طالبات نے ایل۔ ایل بی میں داخلہ لیا جن میں ایک افریقہ کی تھی۔

بروئے قانون یونیورسٹی کا اعلیٰ عہدہ دار (گورنر جنرل) لارڈ ریکٹر ہے جس کے کچھ اختیارات بھی ہیں اور ریکٹر بھی ایک اعزازی عہدہ ہے۔ صوبوں کے گورنر اور چیف کمشنر باعتبار عہدہ ریکٹر ہوتے ہیں ان کے علاوہ کورٹ بھی منتخب کرتا ہے

یونیورسٹی کی جماعتِ حکمراں کورٹ ہے جس میں ہر حصہ ملک کے بہ تعداد معین خاص قواعد کی رُو سے ممبر منتخب ہوتے ہیں۔ امور انتظامی و تعلیمی کے انصرام کے لئے اس کی منتخبہ جماعتیں اگزکٹو کونسل اور اکاڈمیک کونسل ہیں اعلیٰ افسر چانسلر پرو چانسلر وائس چانسلر ہیں۔ ۱۹۴۵ء تک اکاڈمیک سائڈ کا افسر پرو وائس چانسلر تھا مگر فیکلٹیز سسٹم کے بعد یہ جگہ حذف کر دی گئی۔

یونیورسٹی کی اوّلین چانسلر علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم فردوس آشیاں مقرر و منتخب ہوئیں۔ ان کے بعد ہز ہائنس نواب محمد حمید اللہ خاں (بھوپال)

کا انتخاب ہوا۔ جناب ممدوح کے مستعفی ہونے کے بعد ہز اگزالٹیڈ نظام دکن منتخب ہوئے۔

پرو چانسلر کے عہدے پر ہز رائل ہائنس آغا خاں اور جناب موصوف کے استعفٰے کے بعد ۱۹۳۶ء میں ہز ہائنس نواب رضا علی خاں (رام پور) کا انتخاب عمل میں آیا۔

اوّلین وائس چانسلر مہاراجہ محمد علی محمد خاں (محمود آباد) مقرر ہوئے فروری ۱۹۲۳ء میں انھوں نے استعفا دیا اور پھر سلسلہ وار حسب ذیل انتخابی وائس چانسلر ہوئے۔

(۱) صاحبزادہ آفتاب احمد خاں یکم جنوری ۱۹۲۴ء تا ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۶ء

(۲) نواب سر محمد مزمل اللہ خاں جنوری ۱۹۲۷ء تا ۸ر فروری ۱۹۲۹ء

(۳) سر سید راس مسعود ۹ر فروری ۱۹۲۹ء تا یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۴) ڈاکٹر سر ضیاء الدین۔ ۲۰ر اپریل ۱۹۳۵ء تا ۲۹ر اپریل ۱۹۳۸ء

(۵) سر شاہ محمد سلیمان۔ ۳۰ر اپریل ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء

(۶) ڈاکٹر سر ضیاء الدین ۲۴ر اپریل ۱۹۴۱ء تا ۲۴ر اپریل ۱۹۴۷ء

(۷) مسٹر زاہد حسین سی۔ آئی۔ ای ۲۵۔ اپریل ۱۹۴۷ء تا ۷۔ اگست ۱۹۴۷ء

درمیانی مدت میں نواب سر محمد مزمل اللہ خاں سر شاہ محمد سلیمان نواب محمد اسمٰعیل خاں نے منصرمانہ خدمات بھی انجام دیں۔

پرو وائس چانسلر کے عہدہ پر ڈاکٹر ضیاء الدین پانچ ۱۹۲۱ء تا ۲۷۔ اپریل ۱۹۲۸ء مسٹر ای۔ ایچ ہارن مسٹر ایچ۔ مارٹن۔ مسٹر آر بی رمبس باتھم

یکے بعد دیگرے ۱۲-ستمبر ۱۹۲۸ء تا ۲۸-فروری ۱۹۳۵ء پھر یکم مارچ
سے مسٹر اے۔ بی۔ اے حلیم مقرر ہوئے جو ۱۹۴۵ء میں فیکلٹیز سسٹم رائج
ہونے تک اس عہدہ پر رہے یونیورسٹی میں اہم عہدے ٹریژرر رجسٹرار
اور لائبریرین کے بھی ہیں۔

دسمبر ۱۹۲۰ء سے ۱۹-اپریل ۱۹۳۵ء تک نواب سید محمد علی خان بہادر
شیخ عبداللہ، سید زین الدین، نواب محمد اسمٰعیل خاں یکے بعد دیگرے منتخب ہوئے
زاں بعد مولوی عبیدالرحمان خاں شروانی ۱۹-اپریل ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۶ء
تک مسلسل منتخب ہوتے رہے۔

رجسٹرار سید سجاد حیدر یلدرم ۲۶-مارچ ۱۹۲۱ء تا ۳۱ جنوری ۱۹۲۹ء
خان بہادر مسٹر فخر الدین احمد۔ ۲۰-جون ۱۹۳۴ء تک زاں بعد چودھری عظمت الٰہی
زبیری کا مسلسل انتخاب ہوا۔ لائبریرین کے عہدہ پر پروفیسر ہادی حسن اور اُن
کے بعد مسٹر بشیر الدین ایم۔ اے منتخب ہوئے۔ چند سال بعد ہی یونیورسٹی
کا تمام نظم و نسق اور تعلیم و تربیت کی تمامتر ذمہ داریاں اسی ادارے کے
فرزندوں کے شانوں پر آگئیں اور انھوں نے اپنی مادر علمی کی ترقی و عظمت
میں خلوص و قابلیت کو نمایاں کیا۔

۱۹۲۲ء سے فروری ۱۹۴۷ء تک جو کانووکیشن ہوئے ان میں
بیس جلسے ایسے تھے جن میں مسلمان انگریز اور ہندو مشاہیر نے کانووکیشن ایڈریس
دیے ۱۹۲۳ء میں آنریری ڈگریوں کا بھی سلسلہ جاری ہوا اور بہ سنین مختلف
بیس اصحاب کو ڈگری پیش کی گئی۔

۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۹ء تک کالج کو جو عطیات ملے ان میں کسی ایک فرد واحد نے
یک مشت تیس ہزار سے زیادہ کا عطیہ نہیں دیا مگر دور ثانی میں ایسے عطیات کی مقدار
میں اضافہ ہوا اور ۱۹۰۶ء میں پہلی مرتبہ بمبئی کے ایک تاجر سر آدم جی پیر بھائی نے ایک لاکھ
روپیہ یک مشت عطا کیا۔ پھر یونیورسٹی فنڈ میں بھی اس طرح کے گرانقدر عطیے
حاصل ہوئے ۱۹۲۰ء تک کی سرسری میزان (۵۲،۷۹،۱۶۳) ہے یونیورسٹی
قائم ہوجانے کے بعد ۱۹۲۱ء تا ۱۹۴۶ء ایک کروڑ سے زیادہ کے عطیات ملے ان عطیات
کے علاوہ انجمن الفرض، وائس چانسلر فنڈ اور دیگر مدات میں بھی کئی لاکھ روپیہ جمع ہوا۔

۱۸۹۹ء میں قدیم طلبا نے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن قائم کی اور اس کی
آمدنی سے کالج کی امداد مقرر کی اور وظائف کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اپنی مخصوص
عمارت بھی تعمیر کی۔ یونیورسٹی کے دور میں اس کے فنڈ اور مخصوص عطیات
سے ایک خوبصورت دو منزلہ ہاسٹل بنایا جس کے کرایہ کی آمدنی اولڈ بوائز
کے نادار بچوں کے وظائف کے لئے مخصوص کردی گئی۔ ایسوسی ایشن کی جابجا
شاخیں بھی قائم ہوئیں اور تقریباً ہر صوبہ اور ہر بڑے شہر میں جہاں قدیم
طلبا کی معقول تعداد ہوتی ہے علی گڑھ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک ایسوسی
ایشن قائم کردی جاتی ہے۔

کالج کے ملحقہ اداروں میں محمڈن کانفرنس جو بعد کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل
کانفرنس کے نام سے موسوم کی گئی ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی۔ ملک کے مختلف
مقامات حتیٰ کہ مدراس رنگون اور کراچی جیسے دور دراز مقامات پر اس کے
سالانہ اجلاس منعقد ہوئے جن میں قوم کی تعلیمی ضرورتوں پر غور و بحث

سلطان جہاں منزل

آفتاب ہاسٹل

کی گئی اور حکومت سے تعلیمی حقوق کا تحفظ اور مطالبہ کیا گیا۔ اس نے خود قوم میں قومی تعلیم کے اہتمام اور خود امدادی و خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا اور اپنے فنڈ سے سیکڑوں غریب طلبا کو وظائف دیے۔ بعض ضرورتمند مقامی اسکولوں کو بھی مالی امداد دی اور بہ کثرت تعلیمی لٹریچر شائع کیا۔ اسی کے پلیٹ فارم سے مسلم یونیورسٹی تحریک اٹھائی گئی اور کامیابی کی منزل پر پہونچی۔ یہ اسی کا طفیل ہے کہ اجتماعی طور پر ہر حصہ ملک کے قابل اور ہمدرد اصحاب کو قومی مسائل پر بحث و تمحیص کا موقع ملا۔ قوم میں ایک اجتماعی زندگی پیدا ہوئی اور وہ قوم کا ایک مرکز بن گیا۔

کئی مسلمان ریاستوں سے سالانہ گرانٹ مقرر ہوئی اور بھوپال کے عطیے سے اس کا شاندار دفتر تعمیر ہوا۔ سنہ ۱۹۲۰ء تک کالج کا سکریٹری کانفرنس کا سکریٹری بھی ہوتا تھا لیکن مسلم یونیورسٹی کے قیام کے بعد سنہ ۱۹۲۰ء سے وہ ایک مستقل ادارہ ہو گیا۔

اس ادارے نے صوبائی مسائل کیلئے صوبوں میں بھی شاخیں قائم کیں اور انکے سالانہ جلسے بھی منعقد ہوتے رہے۔ بعض بعض مقامات میں ضلع کمیٹیاں بھی بنیں۔ مرکزی دفتر میں مقاصد و اغراض کے لحاظ سے متعدد شعبے قائم ہوئے۔ کمال یار جنگ (حیدرآباد) کی تحریک اور فیاضی سے ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی نے غیر منقسم ہند میں اردو کے مسلمانوں کی تعلیم پر ایک مبسوط رپورٹ مرتب کی۔ دفتری ضروریات کے لئے ایک سرمایہ محفوظ بھی ہے۔ اس کو یونیورسٹی کورٹ میں نمائندگی کا حق بھی ہے۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے حکمراں نے اپنی متعصب ذہنیت سے اردو کے بالمقابل ہندی کی ترویج کا ریزولیشن صادر کیا تو

اگرچہ اس کا مقابلہ کیا گیا لیکن اردو کی ٹھوس ترقی کے لئے کانفرنس نے سنہ ۱۹۰۳ء میں شعبہ ترقی اردو قائم کیا اس شعبہ نے اس وقت ایک مستحکم اور مضبوط صورت اختیار کی جبکہ سنہ ۱۹۱۲ء میں اس کی معتمدی علی گڑھ کے ہی ایک نامور اولڈ بوائے مولوی عبدالحق کو تفویض ہوئی تو رفتہ رفتہ اس نے غیر منقسم ہند میں ایک مشہور و معروف اور مستقل ادارہ کی شکل اختیار کر لی جس کی ایک جداگانہ تاریخ ہے۔

علیگڑھ کی سیاسی تاریخ و روایات بھی خاص نوعیت کی ہیں اور ان کا پس منظر بھی دل چسپ اور وسیع ہے لیکن ان صفحات میں صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ کالج کے آنریری سکریٹری سرسید کی تنہا ذات تمام مسلمانانِ ملک کی محور سیاست تھی ان کے جانشین نواب محسن الملک نے بھی اپنے پیشرو کی حیثیت قائم رکھی اور حکمران صوبہ کے خلاف اردو ہندی کے نزاع میں احتجاجی کارروائیاں کیں اور بالآخر اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء میں ایک یادگار اور تاریخی وفد مرتب کیا جس نے ہز رائل ہائنس آغاخاں کی قیادت میں بمقام شملہ مسلم سیاسی مطالبات کو ایک ایڈریس میں پیش کیا۔ ازاں بعد ایک مرکزی سیاسی ایسوسی ایشن کے قیام کے اقدامات کئے گئے اور تعلیمی کانفرنس منعقدہ ڈھاکہ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کے موقع پر مسلمانوں کے ایک نمایندہ جلسہ نے مسلم لیگ کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک آنریری سکریٹریان منتخب ہوئے اور وہ مجاز کئے گئے کہ ترتیب ضوابط کر کے

مسلمانوں کے ایک عام جلسہ میں منظوری کے لئے پیش کریں۔

۱۹۱۰ء میں یہ دونوں بزرگ انہی امور کی طرف متوجہ رہے مگر اکتوبر میں اول الذکر کا انتقال ہوگیا دسمبر میں بمقام کراچی (حال مستقر حکومت پاکستان) تعلیمی کانفرنس کے اجلاس کے ساتھ مسلم لیگ کا جلسہ ہوا اور تمام ضوابط طے ہوئے۔ نواب وقارالملک اسی دوران میں کالج کے سکریٹری بھی منتخب ہوگئے مگر ۱۹۱۰ء میں انہوں نے کالج کی اہمیت کے لحاظ سے مسلم لیگ کی سکریٹری شپ سے استعفا دے دیا اور اُن کی جگہ مولوی عزیز مرزا جو کالج کے دورِ اوّل کے بہترین طالب علم تھے اور حکومت نظام کی معتمدی سے کچھ مدت پہلے سبکدوش ہوکر علی گڈھ میں مقیم تھے لیگ کے سکریٹری منتخب ہوئے پھر ۱۹۴۷ء تک کم و بیش دو تین سال کے درمیانی زمانہ کو چھوڑ کر کالج کے فرزند ہی لیگ کے سکریٹری ہوتے رہے تا آں کہ آخری سکریٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں تھے، ان طلبا نے لیگ کی متعدد سالانہ اجلاسوں کی صدارت بھی کی اور یہ اجلاس بھی عرصہ تک تعلیمی کانفرنس کے ساتھ ساتھ منعقد ہوتے رہے ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء لیگ پر بڑا نازک زمانہ تھا —— وہ کانگرس اور خلافت کمیٹی کا ضمیمہ بنگئی تھی مگر ۱۹۲۵ء میں جب مسلم یونیورسٹی کا جشن جوبلی منایا گیا تو منتظمین نے اس کا سالانہ اجلاس بھی یہ کیا بڑے بڑے مسلمان سیاسئین جن میں مسٹر محمد علی جناح (قائد اعظم) بھی تھے شریک ہوئے نہایت اہم تجاویز منظور ہوئیں یونیورسٹی کے عہدہ داروں اسٹاف کے ممبروں اور طالبعلموں نے بڑے جوش سے حصہ لیا اور اسی سرزمین پر پھر اس نے اپنی انفرادیت کا ثبوت دیا اور نئے سرے سے قوت حاصل کی۔

۱۸۹۶ء سے ۱۹۴۷ء تک غیر منقسم ہند یورپ اور ممالک اسلامیہ کے مشاہیر اہل علم و اہلِ سیاست علمی وفود، تجار، امرا، والیانِ ملک، ویسرائے، گورنر اور دیگر اعلیٰ افسرانِ ملکی و فوجی نے کالج اور یونیورسٹی کی وزٹ کی اکثر اہل علم نے مختلف موضوعات پر تقریریں کیں لکچر دئے ملکی سیاست بھی اہم موضوع رہا یونین کلب میں مباحث ہوئے، بہت سے ممتاز و مشاہیر اصحاب اسکے آنریری لائف ممبر بنے ۱۹۰۶ء میں پرنس آف ویلز اور ۱۹۰۷ء میں امیر حبیب اللہ خاں بادشاہ افغانستان بھی تشریف لائے پرنس آف ویلز نے ہندستان سے مراجعت کے بعد گلڈہال لندن کی دعوت میں اپنی سیاحت پر جو تقریر کی اس میں خصوصیت سے علیگڈہ کا تذکرہ کیا۔

امیر افغانستان نے جو طلبا کے مذہبی عقائد کی طرف سے بہت بدگمان کردئے گئے تھے اپنے انتخاب سے چند طلبا کا امتحان لیا اور نتیجہ سے بے انتہا متاثر و مطمئن ہوئے۔ اس تاثر و اطمینان کو ایڈرس کی جوابی تقریر میں ظاہر کرتے ہوئے بیس ہزار روپیہ کے عطیہ اور چھ ہزار روپیہ سالانہ مستقل امداد کے مقرر کرنے کا اعلان کیا اور بعد مغرب آنریری سکریٹری کو بیس ہزار رقم عطیہ اور چھ ہزار رقم امداد، یکسالہ پیشگی تفویض کی۔ نیز طلبا کے عقائد کی نسبت ایک تحریری سند دستخط کرکے مرحمت کی،

یوں تو متعدد مرتبہ ترکی وفود اور مشاہیر کالج اور یونیورسٹی میں مہمان ہوئے لیکن ۱۹۳۴ء میں (امیر البحر) رؤف بے کی آمد اس ادارہ کا یادگار واقعہ ہے انھوں نے مرحوم "عبدالرحمان"[1] نامی طالب علم کے سکونتی کمرہ نمبر، ممتاز ہاؤس کے دروازہ پر ایک یادگاری کتبہ نصب کیا اور یونیورسٹی کو رؤف بے اسپورٹس چمپین شپ کپ دیا۔

---

[1] عبدالرحمن جنگ بلقان کے زمانہ میں ترکی گیا تھا، بیش قیمت خدمات کیں اور وہیں انتقال ہوا

۱۹۳۵ء میں نظام دکن نے چانسلر کی حیثیت سے لارڈ ولنگڈن وئیسرائے ہند کو آنریری ڈگری تفویض کی۔ یونیورسٹی میں یہ رسم بھی نہایت شاندار تھی۔

ہز رائل ہائنس آغا خاں ۱۸۹۶ء سے متعدد مرتبہ علیگڑھ آئے اور علیگڑھ تحریکات کو کامیاب بنانے میں ہمیشہ اپنے اخلاقی و شخصی اثر سے کام لیا اور گرانقدر مالی امدادیں بھی کیں ۱۹۳۶ء و ۱۹۳۸ء میں ان کی آمد ابر بہاری کی طرح تھی اور گذشتہ دہ سالہ ترقی بہت کچھ انہی کے مشوروں اور امدادوں کے اثر سے ہوئی۔

اگرچہ تعلیمی ترقی کے ساتھ ہر جگہ طلبا کو پالٹیکس سے علیحدہ رکھنے کی زبردست کوشش کی گئی مگر یہ سعی لاحاصل تھی اور آخر الامر طالب علم پالٹیکس کا زبردست عنصر بن گئے ان کی زندگی میں سیاست روز بروز داخل ہوتی رہی علی گڑھ میں بھی اسی قسم کا ردّ عمل ہوا مسلم یونیورسٹی یونین میں عموماً ماہرین سیاست کا استقبال کیا گیا اور اُن کے خیالات بڑے غور سے سنے گئے۔ ہندوستانی سیاست کے جزر و مد کا اثر بھی دوسرے اداروں کی طرح پڑتا رہا لیکن یہاں کے طلبا نے ڈسپلن کی پوری پابندی رکھی اور خلاف قانون تحریکات میں شرکت سے محترز رہے۔

بعد غدر مسلم سیاست کی جو مختار رفتار رہی اور اس ادارہ کے بانی سر سید نے جن کی ذات گذشتہ صدی کے آخری تین عشروں میں سیاسی محور تھی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ مستقل قومیت کا جو تخیل اور اس کے قیام و استحکام کا جو جذبہ پیدا کیا کانگریس نے ہمیشہ

اس کی تحقیر اور اس کو فنا کرنے کی کوشش کی اور ان سیاستین نے ۱۹۳۰ء سے مسلم یونیورسٹی کو خاص جولانگاہ بنا لیا اور مختلف طریقوں سے کانگریسی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ یونیورسٹی کی انتظامی و تعلیمی جماعتوں میں بھی چونکہ انتہا پسند کانگریسی ذہنیت کے اصحاب داخل رہے ہیں اس لئے یہ پروپاگنڈا کچھ نہ کچھ موثر ہوتا رہا اور زیادہ تیز اور ذہین طلبا زیادہ مسحور ہوگئے اور ایک ایسی مختصر جماعت بھی بن گئی جس میں نہ صرف قومیت بلکہ مذہب کے متعلق بھی نہروانی خیالات کا اثر غالب ہوگیا۔ ۱۹۳۵ء تک یہ حالت تھی مگر اسی سال جدید قانون ہند کے دستوری مباحث و نتائج بھی سامنے آگئے اور مسٹر محمد علی جناح نے مسلمانوں کی سیاسی قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور مسلمانوں کی جداگانہ مستقل قومیت کے بقا و استحکام کے لئے ان کو معرکہ آرائی کرنی پڑی اور ان کی جدوجہد نے ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں ہی سیاسی ذہنیت اور خیالات میں انقلاب و تغیر پیدا کر دیا جس سے مسلم یونیورسٹی کے طلبا بھی متاثر ہوئے۔ مسٹر جناح اس ادارے کے لئے نئے آدمی نہ تھے وہ ایم۔ اے۔ او کالج کی جماعت ٹرسٹیاں میں شامل تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اخلاقی و مالی مدد کی تھی۔ یونیورسٹی کے معاملات میں حصہ لیا تھا اور بارہا یونین میں تقریریں کی تھیں لیکن اب ۱۹۳۶ء میں تشریف آوری کی ایک خاص اور نئی شان تھی۔

وہ قائداعظم کی حیثیت سے ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو ۹ بجے صبح کی ٹرین سے علی گڈھ تشریف لائے اسٹیشن پر یونیورسٹی کے طلبا، اسٹاف

(غازیٔ ملت) اور اہل شہر کی طرف سے اعلیٰ پیمانہ پر شترکا استقبال ہوا۔ پہلے شہر میں ایک طویل جلوس نکلا اور پھر حدود یونیورسٹی میں داخلہ ہوا اور طلبا کے جلوس اور رائڈنگ اسکواڈ کے جلو میں وائس چانسلر (ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد) کی قیام گاہ پر رونق افروز ہوئے جہاں یونیورسٹی اسٹاف اور عمائد شہر کے ساتھ لنچ کھایا۔ چار بجے یونیورسٹی کی جانب سے وکٹوریہ گیٹ پر استقبال ہوا اور اسٹریچی ہال میں تکبیر اور زندہ باد کے نعروں میں تشریف لاکر تقریر کی جس میں زیادہ زور مسلمانوں کے باہم متحد ہونے پر تھا پھر مسلسل تین دن تک یونین میں اور مختلف سوسائٹیوں میں جلسے منعقد ہوئے۔ یونین پر طلبا نے ایک قرارداد پاس کر کے مسلم لیگ کا ہلالی پرچم لہرایا۔

یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک سیاسی لیڈر کی یہ پہلی وزٹ تھی جو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دلی جوش و خروش کیساتھ اس طور پر ہوئی جو ہمیشہ یادگار رہے گی۔

مسلم قومیت کے نقطۂ نظر سے اس وزٹ کے نتیجے بھی بہت مفید ہوئے اور مسلم نوجوانوں کے اذہان میں قومی و ملکی سیاست اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا صحیح تخیّل و تصوّر مستحکم ہونا شروع ہو گیا جو روز بہ روز قوی اور وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

جب سے ایم۔ اے۔ او کالج قائم ہوا اس کے اسٹریچی ہال میں بڑی بڑی شاندار خیر مقدمی اور علمی تقریبیں ہوئیں لیکن ۱۹۴۳ء میں ایک عسکری تقریب یونیورسٹیوں کی تقریبوں میں ایک جدّت تھی۔

۱۹۰۶ء میں جب لارڈ کچنر نے وزٹ کی ہے تو ان کے ایڈریس میں نواب محسن الملک نے تجویز کی تھی کہ کالج میں عسکری تربیت کا بھی انتظام کیا جائے لیکن اس وقت یہ تحریک اخباری بحث و مباحث سے آگے نہ بڑھ سکی البتہ جنگ عظیم کے بعد خود حکومت نے یونیورسٹیوں میں ٹریننگ کور بنائے اور ۱۹۲۳ء میں یونیورسٹی میں بھی یہ یو ٹی سی قائم ہوئی۔ اس کے بعد گذشتہ جنگ کے زمانہ میں بری ہوائی اور ایک حد تک بحری افواج کی تربیت کے لئے ایک ملیٹری کالج وجود پذیر ہوا۔

اس سلسلہ میں دسمبر ۱۹۴۳ء میں ایک نہایت زبردست فوجی تقریب ہوئی ایر کموڈور ہز ہائنس نواب محمد حمید اللہ خاں (بھوپال) جو اس ادارے کے مایہ ناز فرزند ہیں انگریزی اور امریکی افواج کے ہوائی بحری اور بّری اعلیٰ افسروں کے ساتھ علی گڈھ رونق افروز ہوئے۔ یونیورسٹی کے ایروڈروم پر فوجی استقبال کیا گیا اور اسٹریچی ہال میں جو حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور جن میں اور بھی افسرانِ فوج تھے، فوجی اسناد تقسیم کی گئیں۔ اس موقع پر ان اعلیٰ افسروں نے بھی تقریریں کیں اور پھر ایرنائک ورکشاپ کا سنگِ بنیاد نصب ہوا۔ اس تقریب کے علاوہ وقتاً فوقتاً برطانوی فوجی افسران بھی یونیورسٹی میں عسکری تربیت کا معائنہ کرتے رہے وائس ایڈمرل بھی آئے جن کے ساتھ یونیورسٹی کے دو طلبا متعلقہ افواج بحری اے۔ ڈی۔ سی تھے۔ وائس ایڈمرل نے بحری فوج میں داخلہ پر ایک حوصلہ افزا تقریر کی۔

یہ تو اس ادارہ کے قیام اور نشو ونما اور مادی ترقی کا ایک نہایت ہی مجمل بیان ہے اب اخلاقی اقدار اور کامیاب نتائج کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ علی گڑھ کی تعلیم و تربیت نے قومی شیرازہ باندھا۔ وحدت ملی پیدا کی۔ اختلاف عقائد کے تعصبات مٹائے سنی شیعہ، مقلد غیر مقلد اور دیگر فرق اسلامیہ کی ایک ہی مسجد رہی اور ان میں اسلامی اخوت و مساوات کا سبق تازہ ہو گیا۔

اس ادارہ کے فرزندوں نے اسلامی ممالک سے صدیوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا اُن کے اوقات مصیبت میں اپنی ہمدردی و ایثار کی بے نظیر اور موثر مثالیں پیش کیں، طرابلس و بلقان کی جنگ کے زمانہ میں مالی و جسمانی طور پر مدد کی اور ہنگامہ خلافت میں بڑی بڑی قربانیاں دیں جن کی بجائے خود ایک تاریخ ہے۔

اس ادارہ نے ہزاروں غریب و نادار نوجوانوں کی تعلیم کے وسائل مہیا کر کے دنیا میں عزت و خود اعتمادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا یہاں کے دائرہ طالب علمی سے زندگی کے وسیع میدانوں میں بکثرت ایسے نوجوان نکلے جنھوں نے تمدن و سیاست تدبیر مملکت اشاعت تعلیم نشر علوم اور مختلف علوم و فنون میں شہرت حاصل کی انھوں نے ہی حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ کے قیام و استحکام سے اُرْدُو زبان میں ہر قسم کی فنی اور سائنسی تعلیم کا کامیاب تجربہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تمام ملک میں اردو کی ترویج تحفظ و بقا اور ترقی کے لئے انجمن ترقی اردو کو اوج و عروج پر پہونچایا۔

قوم میں تعلیم نسواں کے متعلق بیداری پیدا کی اور عملی مثال کے لئے ایک ابتدائی مدرسہ قائم کر کے اس کو اول درجے کے کالج کی حیثیت تک ترقی دی۔

کالج اور یونیورسٹی کی وہ ترقیاں جو صفحات بالا میں مذکور ہیں بہت کچھ انھیں کی مساعی کا نتیجہ ہیں انھوں نے سیاسی و انتظامی اور کاروباری و تجارتی اور فوجی زندگی کے دوسرے شعبوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ مرکزی و صوبائی حکومتوں میں اعتماد و ذمہ داری کے عہدوں پر مامور ہوکر اور صوبوں اور ریاستوں کے انصرام امور کی اعلیٰ ترین ذمہ داریوں کے حامل بنے اور کامیاب رہے۔

انھوں نے ہندوستانی و برطانوی سیاست میں اپنے قومی و ملی موقف کو قائم رکھنے اور مضبوط بنانے کے لئے ہر طرح کی مشکلوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کیا دستور ساز مجالس میں اپنی دماغی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے جوہر نمایاں کئے

تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں وہ قائد اعظم کے قوتِ بازو ثابت ہوئے اور قائد اعظم کو جو تعلق سنہ ۱۹۱۶ء سے اس ادارہ کے ساتھ شروع ہوا وہ روز بروز وسیع اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔

نئی نسل نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اپنا حصہ ادا کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ انھوں نے اپنے ادارہ میں مسلم لیگ کی شاخ قائم کی اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام سے غیر منقسم ہند کے نوجوانوں میں ایک عزم ایک ولولہ اور ایک جوش پیدا کر دیا جا بجا اس کے ہنگامی اور سالانہ جلسے منعقد ہوتے رہے اور متعدد جلسوں کی صدارت خود قائد اعظم نے کی۔

1 "You, Mr. President, have showered praises upon me. But what has really stimulated me is the message of hope you have given me and the spirit of youth you have imparted to me."

2 "I appeal to you to put your shoulders together, and work with the Muslim League. Stand firm as one solid block of steel, go on organising our people, training them, discipliring them. They are with us. Do not worry about handicaps; organise the Muslims, bring them all together, train them, drill them and make of them the most wonderful political army that India has ever seen; and we will soon reach the goal of our freedom."

3 "Aligar is the Arsenal of Muslim India and you are its best Soldiers."

Extracts from the speeches delivered by Qaid-I-Azam Mohomed Ali Jinnah at the Muslim University Union on 5th February 1938 6th March 1940 and 10th March 1941.

انہوں نے ۱۹۳۴ء کے مصیبت زدگان بہار کی امداد میں تقریباً نصف لاکھ روپیہ کی بصورت نقد و جنس امداد کی۔ ان کی خدمات سیاسی میں بڑی قابل قدر خدمت بہترین و عمدہ ترین سیاسی لٹریچر کی اشاعت ہے جو بکثرت شائع ہوا اور اس سے دنیا نے مسلمانوں کا صحیح سیاسی موقف سمجھا۔

قائداعظم نے اپنی سیاسی زندگی میں ہمیشہ اس ادارہ کو امید کی نگاہوں سے دیکھا یونین کلب کے پلیٹ فارم پر اپنی تقریروں سے اور مباحثوں میں شرکت کر کے طلبا کو صحیح سیاست کا مؤثر درس دیا اور پھر ۱۹۳۸ء میں جبکہ مسلم سیاست ایک اہم دورِ انقلاب میں داخل ہوئی تو اسی پلیٹ فارم پر صدر یونین کی تقریر خیر مقدم کے جواب میں یہ اعتراف کیا کہ

"جس چیز نے مجھے اُبھارا اور میرا دل بڑھایا ہے وہ پیغامِ امید ہے کہ جو آپ نے اپنے نوجوان اراکین کی طرف سے مجھے دیا، پھر وہ روحِ شباب ہے جو کہ آپ نے میری جان درداں میں پھونکی"

پھر قائداعظم نے ۶۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو یونین میں تشریف لا کر سیاسی حالات پر ایک تقریر کی اور آخر میں کہا کہ

"میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں اور مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ایک مستحکم اور مضبوط پیکر فولاد کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہئے۔ اپنی قوم کی تنظیم و تربیت کیجئے اور ان کو ادب و تادیب کا خوگر اور عادی بنایئے ہماری قوم ہمارے ساتھ ہے۔ آپ رکاوٹوں سے پراگندہ خاطر

نہ ہوں۔ وہاں مسلمانوں کو منظم اور یکجا کریں اور فوجی قواعد کی
طرح پابند کار بنائیں۔ اس طرح آپ ان کو ایک ایسے عبرت
افزا لشکر سیاسی میں تبدیل کر لیں گے جسے چشم ہند نے کبھی
بھی نہیں دیکھا۔ اس طرح ہم جلد تر آزادی کی منزل مقصود
پر پہونچ جائیں گے۔"

ہنوز ایک مہینہ بھی نہ گذرا تھا کہ ۲۳۔ مارچ کو مسلم لیگ کے اجلاس
منعقدہ لاہور میں پاکستان کی قرارداد منظور ہوئی اور تمام ملک کے مسلمانوں
کے دل کی آرزو بن گئی۔

۱۰۔ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء کو پھر قائد اعظم علی گڈھ آئے اور یونین کے جلسے
میں تقریر کر کے قرارداد پاکستان پر روشنی ڈالی اور اس ضمن میں کہا کہ
"پس میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ تیاری کیجئے اور ہر آنے
والی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کے اہل بن جائیے علیگڈھ
اسلامی ہند کا سلیح خانہ ہے اور آپ لوگ بہترین سپاہی دیہات
میں نکل جائیے وہاں عامہ خلائق کو تعلیم دیجئے اور ہر طرح سے
ترقی کرنے میں مدد بہم پہونچائیے اپنی قوم کے ہر فرد کو بتلائیے کہ
ہماری منزل مقصود کیا ہے۔ بہت سے لوگ ان لاعلم لوگوں
کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ ہاں ان غریبوں کو اچھی طرح
سمجھا دیجئے پھر وہ اپنی منزل کی راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔"
حضرات! اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم روز بروز بیش از

"Also what the Muslim League in India has been able to do would not have been possible without a Muslim University at Aligarh. It would never have otherwise come into power. Pakistan, the League and the grouping system in India will lead very soon to the construction of a great Muslim body in both East and West India. These are both results of the intellectual work done by the M.O.A. College and later by the Aligarh University."

Extract from the speech by H. R. H. the Aga Khan on 27th July 1946 at Mombasa in reply to the address of welcome by the East African Muslim Welfare Society.

بیش توجہ تعمیری پروگرام کو دیں۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ موسم گرما کی تعطیلات کا زمانہ اس کام میں صرف کریں مثلاً توسیعی خواندگی۔ معاشرتی اصلاحات۔ اقتصادی بہتری اور پہلے سے بڑھ کر سیاسی شعور اور عام لوگوں کو ضبط و تادیب کی تاکید۔ ہم ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلم آزاد ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے اور ہندؤں کے مابین صلح و آشتی کا رشتہ قائم ہو اور ہم دونوں پُرامن طریق سے ایک دوسرے کے ہمسایہ بن کر رہیں۔ اس ملک میں پائدار صلح اور امن و مسرت عامہ کی بحالی کا یہی واحد وسیلہ ہے مجھے قابل اعتبار ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف حکومت بلکہ کانگریس کے ذمہ دار حلقوں میں بھی ہماری تدبیر پاکستان پر سنجیدگی سے غور کیا جا رہا ہے۔ پس آئیے اور اپنی منزل مقصود کی طرف قدم بڑھائیے۔ وقت آ رہا ہے اور جب آپ واقعی تیار ہوں گے تو میں بتاؤں گا کہ اب آپ کیا کریں۔"

نوجوان طلبا نے بھی ہر سیاسی مرحلہ پر اس پیغام امید کو عملی صورت میں نمایاں کیا اور اس اپیل کی دل سے اور اپنے قول و فعل سے تائید کی۔ مرکزی حکومت کے آخری انتخابات میں انھوں نے بے مثل ایثار انہماک تحمل مصائب اور عزم و خلوص سے جدوجہد کی اور کامیاب ہوئے اور جب پاکستان کی تخلیق ہوگئی تو اسی ادارے کے تعلیم یافتہ اس کے استحکام و ترقی کے ضامن بنے۔

آج گورنر جنرل پاکستان مرکز اور صوبوں کے وزیر اعظم اور دیگر وزراء گورنر اسٹیٹ بینک گورنر پنجاب اور بہت سے انتظامی و سفارتی اور تعلیمی عہدہ دار ہی نہیں بلکہ معمولی سرو سوں کے ممبر بھی اسی کان کے جواہر ہیں اور نہ صرف سول سروس ہی میں بلکہ فوج میں بھی ان کی آب و تاب ہے۔ اگر گورنر جنرل (ہز ایکسیلنسی خواجہ ناظم الدین) دور کالج کے نمائندہ ہیں تو سپہ سالار افواج پاکستان جنرل ایوب خاں یونیورسٹی کے زمانہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ملک کی تمدنی، تجارتی تعلیمی اور ثقافتی زندگی میں بھی انھوں نے بڑا حصہ لیا ہے غرض پاکستان کے وہ انجینیر معار ہیں اور وہی مزدور، اور وہ ہی اس کے مستقبل اور اس کی خوش حالی کے ضامن۔

مگر وہ ادارہ جو ان جواہر کا معدن ہے اب اہلِ پاکستان کے لئے ایک خیال ہے اور خواب اور یہ چند اوراق اس کی عظمتِ ماضی کا افسانہ۔

یا

ان کو ایک ایسا کتابہ سنگ مزار کہنا چاہیئے جو کسی جلیل الشان محبوب ہستی کے مرقد پر نصب کیا جاتا ہے۔

محمد امین زبیری[1] (سابق مہتمم تاریخ بھوپال)

---

[1] مؤلف کا قدیم وطن مارہرہ متصل علی گڑھ ہے مگر اب کراچی ہے اور پاکستان